مرثیہ درحال حضرت عباس علیہ السلام

(۱۱۹/ بند) حسینؔ اجتہادی

جب شور آمد آمدِ مہر مبیں ہوا
ہم رنگ خوں شفق سے سپہر بریں ہوا
کافور صبح غازۂ روئے زمیں ہوا
ذرّہ ہر ایک غیرت دُرّ ثمیں ہوا
بے نور ماہتاب کا خالی ایاغ ہے
ذرّہ ہر ایک آب گہر شب چراغ ہے

جب صبح شامِ غم کا فلک پر ہوا ظہور
مشرق سے جلوہ گر ہوا ناگاہ خطِّ نور
تارہ سحر کا ہوگیا ضو میں چراغِ طور
صحرا میں روشنی ہوئی اک بار دُور دُور
سبزہ میں لہر آنے لگی آب جو کی طرح
سرخی شفق کی پھوٹ کے نکلی لہو کی طرح

دریائے نور میں جو تلاطم ہوا عیاں
چھپنے لگی نگاہ سے بس نہر کہکشاں
دھارا بہا نسیم سحر کا جو ناگہاں
گردوں پہ ڈوبنے لگیں تاروں کی کشتیاں
سر کا جو ابرِ تیرۂ شب آسماں کھلا
جنبش جہاز نور نے کی بادباں کھلا

پھیلا جو نور ظلمت شب کا اثر چلا
گرد اٹھی کاروانِ نسیم سحر چلا
جھومے نہال، جب کوئی جھونکا ادھر چلا
ہر گل کا جام بادۂ شبنم سے بھر چلا
خوشبو ہر ایک سمت کو پھیلی گلاب کی
ذرّے چمک دکھانے لگے آفتاب کی

پتوں پہ ہیں جو اوس کے قطرے جدا جدا
ہیرے جڑے ہوئے ہیں یہ ہے شان کبریا
چلتی ہے ہر روش پہ دبے پاؤں سے صبا
محو ثنائے حق ہیں جو طائر ہیں خوشنوا
ہر سمت دوڑنے پہ نگاہیں تلی رہیں
نرگس کی شوقِ دید میں آنکھیں کھلی رہیں

سب اوس میں کھڑے ہیں نہائے ہوئے شجر
زیور پہن کے پھولوں کا پھولے ہیں رات بھر
پتے لئے ہوئے ہیں کفِ دست پر گہر
نرگس کی ان کی سمت ہے جادو بھری نظر
پہنچا! بہار آنے کی جس کو خبر لگی
نیلے وہ پھول ہوگئے جن کو نظر لگی

رکھتی نہیں صبا بھی قدم آج بے اصول
لپٹی ہوئی ہیں شاخوں سے بیلوں کا ہے یہ طول
خوش پھر رہی ہیں بلبلیں، اصلا نہیں ملول
مرجھائیں آہِ گرم سے نازک ہیں ایسے پھول
مہکا وہیں ہوا نے جو دامن کو چھو دیا
شبنم کے بار سے رگِ گل نے لہو دیا

افشانی سب کے سب ہوئے سادے جو پھول تھے
دینے لگے بہار جو کانٹے فضول تھے
کیا ساکنان باغ کے اچھے اصول تھے
وہ بھی بحال ہوگئے جو دل ملول تھے
نالے ہوئے ہیں دست وگریباں اثر کے ساتھ
نکہت بھی سیر میں ہے نسیم سحر کے ساتھ

بن میں سفید پھول کھلے ہیں جو بے شمار
تا دُور چاندنی سی زمیں پر ہے آشکار
بلبل ہزار بار نہ کیوں دل سے ہو نثار
پھولوں سے نور دیتے ہیں اشجار سایہ دار
جلوے کا آسماں پہ نہ ہوتا اثر کبھی
کھلتے نہ پھول یہ، تو نہ ہوتی سحر کبھی

سبزے نے پھیل پھیل کے باندھی ہے چوحدی
جنگل میں فرش دُور تلک ہے زمرّدی
ہیں ٹہنیاں درختوں کی پھولوں سے سب لدی
پتے ہیں سبز سبز تو شاخیں زبرجدی
ہے باروَرسوا، جو شجر ہے گھنا ہوا
قدرت سے ہر ورق پہ ہے مینا بنا ہوا

بلبل ہر ایک عشق میں گُل کے ہے بے قرار
غنچے کے پاس بیٹھی ہے اور ہے یہ انتظار
چٹکے کلی تو روح کو اپنی کروں نثار
عارض پہ گل کے رکھتی ہے منقار بار بار
دل میں کھٹک رہا ہے یہ کانٹا لگا ہوا
نرگس کو خود نظر کا ہے کھٹکا لگا ہوا

شبنم کا مینھ برستا ہے چلتی ہے جب ہوا
مستوں کی طرح جھومتے ہیں نخل خوشنما
ہے صاف ہر شجر سے عیاں قدرت خدا
تازہ گلوں کے ڈھیر ہیں تھالوں میں جا بجا
بیلیں پڑی ہیں نالۂ بلبل کے پیچ میں
گل آگئے ہیں گیسوے سنبل کے پیچ میں

اُودے گلوں کے نخل پہ رہتے ہیں جو طیور
کہتے ہیں دل میں صبح کا اب تک نہیں ظہور
ظلمت ہی اس قدر ہے کچھ ان کا نہیں قصور
ڈالے ہیں منھ پروں میں کہ ہے نیند کا وفور
ان کے نشیمنوں پہ جو پتّوں کی آڑ ہے
آپس میں کہہ رہے ہیں کہ یہ شب پہاڑ ہے

ہے نہر علقمہ کے کنارے عجب فضا
گنجان ہیں درخت کناروں پہ جا بجا
پانی میں لہر آتی ہے چلتی ہے جب ہوا
موتی سا صاف آب ہے، میلا نہیں ذرا
نرگس کی کس طرح نہ ہوں آنکھیں لڑی ہوئی
لہرا رہی ہیں پانی پہ بیلیں پڑی ہوئی

بچھے ہوئے ہیں پانی کی چادر پہ گل جو سب
اُبھری ہیں مچھلیاں کہ چنیں پھول چل کے اب
ٹھہری ہوئی ہیں پانی پہ، ہیں پھول زیر لب
گل ڈوبتے ہیں آب میں بلبل کو ہے تعب
آتی ہے بوئے عطر یہ حالت ہے آب کی
ٹوٹے حباب گر تو مہک دے گلاب کی

شفاف و صاف آب ہے دریا کا اس قدر
بطن صدف میں صاف نظر آتے ہیں گہر
منھ دیکھتے ہیں آئینۂ آب میں شجر
پانی میں لطف دیتے ہیں ڈوبے ہوئے ثمر
آلودۂ غبار تھے جو پھل وہ دھو گئے
جن کے مزاج گرم تھے وہ سرد ہوگئے

آئی ہوئی بہار ہے عالم میں سر بسر
فصل خزاں کا، باغ میں زہراؑ کے ہے گذر
آتی ہے دم بدم یہ صدا دشت سے ادھر
اے نہر تشنہ لب ہے ید اللہ کا پسر
کام آئی تو نہ فاطمہؑ کے نورعین کے
پیاسے ہیں تین روز سے بچے حسینؑ کے

اے جام گل پہنچ علی اصغرؑ کے واسطے
رو شبنم آج سبط پیمبرؐ کے واسطے
اے قمریو! بکا کرو اکبرؑ کے واسطے
ماتم کر اے نہال بہتر کے واسطے
مشکل کا وقت ہے، یہ محمدؐ کی آلؑ پر
پانی ہے بند ساقیٔ کوثر کے لال پر

وقت نماز صبح ہے نزدیک ہائے ہائے
پیاسے نمازیوں پہ ترس اب تو کوئی کھائے
پانی وضو کے واسطے آخر کہاں سے آئے
ہاں ابر نو بہار سے کہہ دو کہ آب لائے
لازم ہے پاس سید عالی مقام کا
پھولو! تم ہی بچھا دو مصلّٰی امام کا

ہیں جمع شب سے ایک جگہ سب وہ شیر نر
شیدا و جاں نثارِ شہنشاہِ بحر و بر
زانو پہ تیغیں سامنے قرآں ہیں رحل پر
کی یاد حق میں اور تلاوت میں شب بسر
مانگی اذاں کے بعد دعا جھوم جھوم کے
قرآں سبھوں نے بند کئے چوم چوم کے

اُٹھ کر سب آئے متصل خیمۂ امام
اور با ادب کیا در دولت پہ پھر قیام
آئے خبر یہ دینے کو زینبؑ کے لالہ فام
تشریف شاہ لاتے ہیں باندھو صفیں تمام
اکبرؑ نے آ کے خیمہ کا پردہ اٹھا دیا
قاسمؑ نے لا کے شہ کا مصلّٰی بچھا دیا

خیمے سے نکلے سبط رسول فلک جناب
گویا، ہوئے محل سے برآمد ابوترابؑ
سر پر عمامہ، بر میں قبا، رُخ پہ ہے نقاب
چہرے کا نور برقِ تجلّیٰ کا ہے جواب
دھوکا جبینِ پاک پہ جرمِ قمر کا ہے
سجدے کا ہے نشاں کہ ستارہ سحر کا ہے

پہلے ادب سے سب نے کیا شاہ کو سلام
بڑھ بڑھ کے چومنے لگے پھر ہاتھ خاص و عام
سجّادے پر جب آ کے فروکش ہوئے امامؑ
ترتیب سے عقب میں صفیں بندھ گئیں تمام
عباسؑ تھے قریب حفاظت کے واسطے
اکبرؑ کھڑے ہوئے تھے اقامت کے واسطے

سب اُٹھ کھڑے ہوئے جو اُٹھے شاہ خاص و عام
قائم ہوئی نماز اقامت ہوئی تمام
نیت ہر اک نے کی عقبِ نیتِ امامؑ
آخر نماز ختم ہوئی اور پھرا سلام
عزم جہاد تھے جو وہ اہل وفا کئے
جلدی سے سب نے شکر کے سجدے ادا کئے

آمادۂ وغا ہوئی جس وقت فوجِ کیں
ناوک کماں میں جوڑ کے پہلے بڑھے لعیں
سجادے سے ابھی نہ اُٹھے تھے امام دیں
ناگاہ چند تیر گرے شاہ کے قریں
دیکھے جو تیر سامنے شہ کے پڑے ہوئے
تسبیحیں رکھ کے ہاتھ سے سب اُٹھ کھڑے ہوئے

تیغیں رکھی تھیں سب کے مصلّوں پہ جا بجا
قبضوں پہ ہاتھ، رُخ تھے سوئے شاہ کربلا
سجنے لگے سلاح علمدارِ با وفا
منھ سرخ غیظ سے علی اکبرؑ کا ہوگیا
غصہ میں وہب تیغ و سپر باندھنے لگے
اُٹھ کر حبیب اپنی کمر باندھنے لگے

حضرت نے مُڑ کے عونؑ و محمدؑ سے یہ کہا
جاکر تم اپنی ماں سے خبر کر دو اک ذرا
جلدی سے سج دیں اب علم لشکرِ خدا
آتے ہیں ہم بھی خیمے میں اب مانگ کر دعا
کچھ دیر اور کوہِ مصیبت کو ٹال لیں
کہنہ لباس ڈھونڈھ کے باہر نکال لیں

یہ سن کے آئے خیمے میں دونوں وہ مہ جبیں
مادر سے عرض کرنے لگے یوں وہ نازنیں
فرما رہے ہیں آپ سے اماں یہ شاہِ دیں
سجیئے نشانِ فوجِ شہنشاہ مومنیں
ہر چند ابھی محل نہیں کچھ اضطراب کا
لشکر مگر ہے جمع رسالت مآبؐ کا

گھبرا کے بولیں بچوں سے زینبؑ مجھے بتاؤ
اکبرؑ کہاں ہیں ان سے یہ کہنے کو جلد جاؤ
للہ رحم کھاؤ پھوپھی کا نہ دل دکھاؤ
سنتی ہوں تیر آتے ہیں خیمہ میں تم تو آؤ
کہہ آؤ شاہ سے علی اکبرؑ کو بھیج دیں
ڈھالوں کی اوٹ میں مرے دلبر کو بھیج دیں

یہ کہہ رہی تھیں خواہر سلطان کربلا
ناگاہ آئے اکبرؑ و عباسؑ با وفا
دوڑیں بلائیں لینے کو ہونے لگیں فدا
فرمایا خیریت تو ہے اے میرے مہ لقا
سنتی ہوں تیر شاہ کے لشکر میں آگئے
قربان جاؤں خوب کیا گھر میں آگئے

عباسؑ سے یہ کہنے لگیں پھر بہ شور و شین
آؤ علم سجو کہ ہو حیدرؑ کے نورعین
راحت جگر کو ہے نہ مرے دل کو اب ہے چین
لاکھوں لعیں ہیں کم ہے بہت لشکر حسینؑ
صفدر ہو اور شیر خدا کے ولی کے ہو
تم کو علم ملے گا کہ بیٹے علیؑ کے ہو

فرما چکیں جو خواہر شاہنشہہ اُمم
تسلیم کرکے سجنے لگے فوج کا علم
کچھ اور ہوگیا ہے سوا آپ کا حشم
نادِ علیؑ بھی وردِ زباں اب ہے دم بدم
پٹکے کا بند چوب سے باندھا دلیر نے
پنجہ چڑھایا چوم کے حیدرؑ کے شیر نے

جب تک علم سجا کئے عباسؑ با وفا
پہلو میں چپ کھڑے رہے زینبؑ کے دلربا
پیار آیا ان پہ اور علمِ فوج دے دیا
مسرور دل میں ہوگئے دونوں وہ مہ لقا
کچھ باتیں یاد آگئیں عہد رسولؐ کی
بھر لائی اشک آنکھوں میں بیٹی بتولؐ کی

گیارہ نشان اور سجے پھر بہ عزّ و جاہ
پر نور اور ہوگئی اس وقت بارگاہ
پٹکوں میں وہ چمک تھی کہ ٹکتی نہ تھی نگاہ
پنجہ ہر ایک نور فشاں تھا مثال ماہ
آثار منکشف ہوئے اقبال و جاہ کے
بارہ علم سجے گئے لشکر میں شاہ کے

طوبیٰ کو اس نشاں سے نہیں تاب ہمسری
پرچم ہے یا کہ بالوں کو بکھرائے ہے پری
دامن ہے یا کہ موجۂ دریائے اخضری
خوشبو وہ بھینی بھینی وہ رنگت ہری ہری
ہے شان سے عیاں علمِ بو تراب ہوں
پنجہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں آفتاب ہوں

پنجہ لچک رہا ہے ہوا سے جو بار بار
بجلی چمک رہی ہے یہ ہوتا ہے آشکار
وہ نور ہے کہ برق تجلّی بھی ہو نثار
موسیٰ جو دیکھ لیں نہ رہے دل پہ اختیار
لانی پڑے بہشت سے نکہت نسیم کو
کیا دور آج پھر جو غش آئے کلیم کو

ظاہر نشاں کی شان سے ہے شانِ احمدی
دیکھو یہ ہے نشانِ علیؑ ومحمدیؐ
پنجہ میں ہیں جڑی ہوئی پر چیں زبر جدی
سہرا ہے موتیوں کا پھریرا زمرّدی
پنہاں ہوا ہے چہرۂ یوسف نقاب میں
پرچم نہ سمجھو ہے یہ کرن آفتاب میں

ہر ایک فوج شہ کا نشان لا جواب ہے
کیا کم ہے یہ شرف کہ زیارت ثواب ہے
ہے کوئی مشتری کوئی زُہرہ خطاب ہے
گیارہ ستارے ان میں ہیں اک آفتاب ہے
پنجوں کے پیچ میں جو رقم سب کے نام ہیں
بارہ علم بتائے ہیں بارہ امام ہیں

اسلام کی سپاہ میں زینت اسی سے ہے
یہ دبدبہ اسی سے ہے شوکت اسی سے ہے
مفتوح خلق میں در نصرت اسی سے ہے
خلد بریں کے پہلو میں رنگت اسی سے ہے
مانند مہر دھوپ میں جلوہ دکھاتا ہے
ہے پنجتن کی فوج یہ پنجہ بتاتا ہے

ظاہر ہوا فلک پہ جو خورشید خاوری
میداں میں پھیلی دھوپ کی زردی زری زری
سونے کا اک ورق تھا، نہ تھا چرخ چنبری
کمریں کسے ہوئے تھے جوانانِ حیدری
عالم نیا نظر جو پڑا تحت و فوق میں
چہروں کا نور بڑھ گیا مرنے کے شوق میں

عباسؑ آئے خیمے سے پیش شہ ہُدا
کی عرض سج گئے علم فوج مصطفیٰؐ
جو حکم آپ کا ہو اسے لاؤں اب بجا
فرمایا شہ نے اے پسر شیر کبریا
سچ ہے کہ تم میں حیدر صفدر کی شان ہے
حامل ہو اس کے تم یہ تمہارا نشان ہے

پاتے ہی حکم سبطِ رسولِ فلک حشم
خیمے سے لائے اکبرؑ و عباسؑ خود بہم
تیار تھا جو لشکر شاہنشہہَ اُمم
آکر قریب شیر نے اونچا کیا علم
رکھا اسے جو دوش پہ حیدر کی شان سے
قدسی نگاہ کرنے لگے آسمان سے

خیمے کے در پہ آ کے جو فضّہ نے کی نظر
دیکھا کہ چُپ کھڑے ہیں شہنشاہ بحر و بر
طالب رضا کا شاہ سے ہے حُرِ خوش سیر
آنسو بہا رہے ہیں شہ دیں جھکائے سر
سینہ سپر ہیں شوق میں نصرت کے واسطے
آمادہ ہیں رفیق شہادت کے واسطے

القصّہ لے کے رن کی رضا وہ وفا شعار
ہونے لگے رسولؐ کے دلدار پر نثار
جانے لگی علیؑ کے گلستاں کی سب بہار
غم سے ہوا بتولؑ کے دلبر کا دل فگار
جتنے رفیق شاہ تھے دم میں جدا ہوئے
وہ سب دلیر فدیۂ راہِ خدا ہوئے

آخر کو دشت ظلم میں جانے لگے عزیز
کس شوق سے گلوں کو کٹانے لگے عزیز
دل سبطِ مصطفیٰ کا دُکھانے لگے عزیز
جنت میں گھر رسولؐ سے پانے لگے عزیز
مصروف شغل آہ و بکا میں حسینؑ تھے
لاشوں پہ مرنے والوں کے زہرؑا کے بین تھے

سب ورثہ دار حیدر و جعفر ہوئے شہید
نور نگاہِ زینبؑ مضطر ہوئے شہید
عباسؑ با وفا کے برادر ہوئے شہید
ان سب کے بعد قاسمؑ بے پر ہوئے شہید
ابن حسنؑ کے غم میں حسینؑ اشک بار تھے
عباسؑ اذن جنگ کے امیدوار تھے

کرتے ہیں عرض شہ سے علمدارؑ با وفا
پیاسے بہت ہیں سب، مجھے رن کی ملے رضا
پانی کہیں سے لاؤں میں یا شاہِ کربلا
بچوں کی پیاس دیکھ کے جلتا ہے دل مرا
چھالے تپک رہے ہیں دل بے قرار کے
کہئے تو نہر چھین لوں تلوار مار کے

یہ کہہ کے گر پڑے شہ والا کے پاؤں پر
آغوش میں حسینؑ نے رکھا اٹھا کے سر
جاؤ سدھارو کہنے لگے شہ بچشم تر
تنہائی پر ہماری ذرا بھی نہ کی نظر
پہنچو بخیر گلشن عنبر سرشت میں
بھائی کو داغ دے کے سدھارو بہشت میں

آئے یہ کہہ کے خیمہ میں شہ بادلِ حزیں
سایہ کی طرح ساتھ تھے عباسؑ مہ جبیں
دیکھا جو چھوٹے بھائی کو زینبؑ سمجھ گئیں
رخصت کو میرے پاس انھیں لائے شاہِ دیں
تڑپا جو دل تو اشک بہانے لگی بہن
عباسؑ کو گلے سے لگانے لگی بہن

کہنے لگے بہن سے یہ عباسؑ ذی وقار
رخصت طلب ہے آپ سے یہ عبد جاں نثار
بچوں کی پیاس سے نہیں اب دل پہ اختیار
گر مرگیا تو ہوگیا شبیرؑ پر نثار
ہوں گا خجل نہ شبرؑ و حیدرؑ کے سامنے
جاؤں گا سر خرو میں پیمبرؐ کے سامنے

بولیں یہ پیارے بھائی سے زینبؑ بہ اشک و آہ
چھپتے ہو تم بھی آنکھوں سے اے میرے رشک ماہ
افسوس ہوگیا مرا مظلوم بے سپاہ
یہ تو بتاتے جاؤ کہ کیونکر جئیں گے شاہ
قوت بہت تھی تم سے شہ مشرقین کو
ہیہات چھوڑے جاتے ہو تم بھی حسینؑ کو

چھاتی سے سر لگا کے یہ بولی جگر فگار
اچھا یہی ہے ضد تو سدھارو بہن نثار
شہ سے رضا ملی ہے تو کیا اپنا اختیار
سونپا خدا کو حیدر صفدرؑ کے یادگار
تم تو سدھارتے ہو پر اس کا خیال ہے
تم سے بچھڑ کے بھائی کا جینا محال ہے

پاکر رضا بہن سے علمدارِ ذی حشم
تسلیم کرکے پاس سے اُٹھے بصد الم
دیکھا جو دور اُسے تو پکارے بدرد و غم
بی بی سکینہ آؤ بلاتے ہیں تم کو ہم
کڑھتے ہیں ہم بھی تم کو جو مغموم پاتے ہیں
پانی تمہارے واسطے لینے کو جاتے ہیں

بولی بہا کے اشک سکینہؑ جگر فگار
پانی مجھے نہ دیجئے آپ اور نہ کیجئے پیار
بس آپ کی محبت و الفت کے میں نثار
پوچھا نہ صبح سے کہ کہاں ہے یہ سوگوار
چارہ ہے کیا نگاہ عنایت اگر نہیں
پیاسی ہوں میں حضور کو شاید خبر نہیں

بولے گلے لگا کے یہ عباسؑ نامدار
لے آؤ اپنی مشک اُٹھا کر چچا نثار
رخصت تو دے چکے ہیں ہمیں شاہ ذی وقار
جاتے ہیں پانی لینے کو اب ہو نہ بے قرار
حق ہیں، بجا ہیں، سب جو تمہارے کلام ہیں
کیا کرتے ہم کہ رن میں اکیلے امام ہیں

سمجھا رہے تھے اس کو علمدارِ با وفا
آئی جو یک بیک دُہل جنگ کی صدا
بہلا کے اس کو گود میں بانو کی دے دیا
مشکیزہ خشک اُٹھا لیا اور دوش پر رکھا
فرمایا دختر شہ عالی صفات سے
روؤ نہ اب کہ لاتے ہیں پانی فرات سے

جانے لگا یہ کہہ کے جو وہ غم کا مبتلا
زوجہ نے جلد دوڑ کے دامن پکڑ لیا
کی عرض ہے نباہ کی صورت ہمارے کیا
نہوڑا کے سر یہ بولے کہ حامی ہے کبریا
کیا فکر اس کی آل پیمبرؐ کے ساتھ ہو
مضطر نہ ہو کہ عابدِؑ مضطر کے ساتھ ہو

رونے لگی یہ سنتے ہی وہ سر کو کرکے خم
بچوں کو پیار کرکے یہ بولے بصد الم
سونپا تمہیں خدا کو کہ چھٹتے ہیں تم سے ہم
جانکاہ ہے تمہاری جدائی کا درد و غم
افسوس کیا کریں کہ جگر بے قرار ہے
سوکھے ہوئے لبوں سے عطش آشکار ہے

یہ کہہ کے گھر سے جانے لگے جب بحال زار
قرآن لے کے آگئیں زینبؑ جگر فگار
جوش بکا سے شور قیامت تھا آشکار
مل کر چلے حرم سے علمدارِ ذی وقار
بیتاب تھے حرم، کوئی دل تھا نہ چین سے
ہر لب پہ تھا کہ چھٹتا ہے بھائی حسینؑ سے

طالع جو دشت میں قمر ہاشمی ہوا
دریا کا دیکھنا سبب برہمی ہوا
نکلی شعاعِ نور نشاں پرچمی ہوا
دامن جو سبز تھا تو علم ماتمی ہوا
لپٹے ہوئے پھریرے کو کھولا دلیر نے
گھوڑا طلب کیا اسد حق کے شیر نے

تیار ہو کے سامنے آیا جو راہوار
تسلیم کو جھکے سوئے شبیرؑ نامدار
پڑھ کر دعائے نادِ علیؑ بس ہوئے سوار
لیتے ہی باگ ہوگیا شبدیز بے قرار
پہلے تو کاوے دے کے اسے امتحاں کیا
پھر اسپ برق دم کو جری نے رواں کیا

اُڑنے لگا وہ صورت شہباز تیز پر
وہ چھپ گیا ہوا کہ طرح رہ گئی نظر
دیکھے جو غور سے کوئی اس کو ادھر اُدھر
تارا سا اک غبار میں ہے دور جلوہ گر
مٹی میں اب تو برق شرر بار مل گئی
اس کی تو ذوالفقار سے رفتار مل گئی

کچھ شک نہیں کہ قدرتِ خالق سمند ہے
سانچے میں بس ڈھلا ہوا ہر جوڑ بند ہے
ایسا سُبک کہ دوش ہوا پر بلند ہے
اک چاند ہے کہ ابر کے پردے میں بند ہے
برقع میں جا رہی ہے یہ لیلی چھپی ہوئی
ہے چادر غبار میں بجلی چھپی ہوئی

نکہت ہے، بار کیا ہو نسیم بہار پر
شبنم کی طرح پڑتے ہیں سُم لالہ زار پر
بسمل کا دل ہے جو نہیں آتا قرار پر
ذرّہ کی طرح جاتا ہے دوش غبار پر
ہے ابر پر روانہ یہ کس کو یقیں نہیں
نقش قدم زمیں پہ کہاں ہیں کہیں نہیں

گھوڑے کے چاروں نعل جو ہوتے ہیں جلوہ گر
کیا دیکھے کوئی جم نہیں سکتی ذرا نظر
ہے رعب و داب وہ کہ لرزتے ہیں دل جگر
آپس میں دیکھ دیکھ کے کہتے ہیں جن بشر
زریں نشاں ہے فرق پہ سایہ کئے ہوئے
پریاں اُڑیں ہیں تخت سلیماں لئے ہوئے

ڈر ڈر کے کہہ رہے ہیں سواران پیل تن
وہ آگئی سوارئِ عباسؑ صف شکن
دریا کی سمت رخ ہے تو ماتھے پہ ہے شکن
سیلاب خوں کا آئے گا ایسا پڑے گا رن
دہشت سے اب سبھی کا جگر آب آب ہے
کہتی ہے گرد یہ خلفِ بو ترابؑ ہے

کہتے ہیں دیدباں کہ خبردار ہوشیار
دیکھو وہ ہے نشانِ علمدارِ نامدار
پنجہ چمک رہا ہے پس پردۂ غبار
شکل اسد وہ آتا ہے غازی کا راہوار
رو کو بڑھا بڑھا کے سنانیں دلیر کو
رستہ نہ دو ترائی میں آنے کا شیر کو

تنہا ہے وہ دلیر، ادھر لشکر کثیر
ناوک فگن رسالوں میں جو جو ہیں بے نظیر
ترکش سے کھینچ کھینچ کے جوڑیں کماں میں تیر
دریا سے ہوشیار رہیں سب جوان و پیر
ہٹنا نہ مورچوں سے لڑائی نہ چھوڑنا
برسے جو آگ بھی تو ترائی نہ چھوڑنا

پانی نہ جانے پائے سپاہِ امام میں
سیراب سب سوار رہیں فوج شام میں
غافل رسالہ دار نہ ہوں اپنے کام میں
آنے نہ پائے فرق کوئی انتظام میں
وقفہ نہیں ہے اب کہ وہ جرّار آگیا
علموں سے ہوشیار علمدار آگیا

یہ ذکر تھا کہ آگیا حیدرؑ کا شیر نر
روکا فرس کو متصل فوجِ اہلِ شر
بھڑکے سمند، شیر کی بو پا کے سب اُدھر
پیچھے ہٹی سپاہ ہوا اس طرح کا ڈر
ڈھالوں سے ڈھالیں لڑنے کی آواز آگئی
بھڑکے فرس تو رن کی زمیں تھرتھرا گئی

گھبرا گئے ہیں ایسے جفاکار و پُر دغا
رنگ اُڑ رہے ہیں رخ کے نہیں ہوش اب بجا
ملحق ہوا ہے ایک سے یوں ایک بے حیا
جنبش سپہ کو ہوسکے اتنی نہیں ہے جا
پاکر فشار ہوگئے بیکار کام سے
ترکش سے تیر نکلے نہ تیغیں نیام سے

تیغوں کے خم نکل گئے ایسا ہوا فشار
جو تھے الف الف ہی رہے بس وہ راہوار
سینوں میں دم گھٹے ہیں تو مضطر ہیں نابکار
لڑ لڑ کے ٹوٹے جاتے ہیں نیزے بھی بے شمار
ڈھالیں دبیں تو پھول سپر بن کے رہ گئے
جو گرز گاو سَر تھے تبر بن کے رہ گئے

زریں ہیں چاک چاک تو چار آئینہ ہیں چور
خود ان کے گر گئے ہیں جنھیں تھا بڑا غرور
کیوں کشمکش میں پڑ گئے آخر یہ بے شعور
کوڑے لگائے جاتے ہیں گھوڑوں کو بے قصور
سب تھرتھرا رہے ہیں دہانوں کو داب کے
اُلجھے ہوئے ہیں باگوں میں تسمے رکاب کے

دیکھا یہ حال جب تو دلاور نے دی صدا
کیوں بزدلو! حواس نہیں کس لئے بجا
ہے شمر کس طرف، پسر سعد کیا ہوا
بگڑا ہے انتظام تو لڑنے سے فائدا
یہ سب دلوں کو اپنے سنبھالیں تو جنگ ہو
بھاگے ہوؤں کو پھر سے بلا لیں تو جنگ ہو

کثرت کا فوج کی مجھے مطلق نہیں ہے ڈر
چاہوں تو بڑھ کے کاٹ لوں ہر بے حیا کا سر
اپنا شعار یہ نہیں ہے اے سپاہ شر
جان عدو کا بھی میں نہیں چاہتا ضرر
پیرو ہوں نور عین علیؑ و بتولؑ کا
ہے رحم دل جہاں میں کنبہ رسولؐ کا

اب تم سے پوچھتا ہوں میں معقول دو جواب
کیوں تین دن سے سبط نبیؐ کو دیا نہ آب
ہے پیاس اور دھوپ سے بچوں کو اضطراب
آل نبیؐ پہ ظلم کو سمجھے ہو تم ثواب
کھاؤ ترس تم ان پہ پیمبرؐ کا واسطہ
کچھ مشکیں بھر کے بھیج دو حیدرؑ کا واسطہ

پہچانتے ہو کون ہوں میں اے سپاہِ شام
ہے باپ بھی امام مرا بھائی بھی امام
کرتا ہوں تم سبھوں سے میں حجت فقط تمام
مانی نہ میری بات تو کھینچوں گا پھر حسام
سقّا بنا ہوں آج میں جان بتولؑ کا
بیٹا امام کا ہوں بھتیجا رسولؐ کا

جب اس سوال کا نہ کسی نے دیا جواب
غیظ آ گیا رہی نہ ذرا بھی جری کو تاب
دریا کی سمت گھوڑے کو موڑا بصد عتاب
پانی نظر پڑا تو ہوا اور اضطراب
مشکیزہ دیکھا آہ شرر بار کھینچ کے
بل ابروؤں پہ پڑ گئے تلوار کھینچ کے

ساقی نامہ

ساقی میں جھومتا ہوا آتا ہوں لاشراب
بھر بھر کے جام سرخ میں مجھ کو پلا شراب
جس سے لہو جگر کا بڑھے وہ دِلا شراب
کوثر میں سلسبیل کی بھی کچھ ملا شراب
مداح ہوں ترا، مجھے انعام چاہئے
دو آتشہ شراب کے دو جام چاہئے

ساقی یہ وقت خاص فضیلت کا وقت ہے
یعنی یہی دعا کی اجابت کا وقت ہے
ہنگام ظہر حق کی عبادت کا وقت ہے
بھر رکھ صراحیاں یہی فرصت کا وقت ہے
لے لے کے جام تجھ کو دعائیں بھی دوں گا میں
بعد نماز آج کے دن مے پیوں گا میں

اس مے کا ہوں ازل سے میں شوقین ساقیا
ظاہر ہیں میکدے کے بھی آئین ساقیا
وہ جام دے کہ دل کو ہو تسکین ساقیا
ایماں مرا یہی ہے، یہی دین ساقیا
باقی نہیں ہے گو کہ زمانہ شباب کا
لیکن مجھے ہے عشق ابھی تک شراب کا

ساقی پلا دے جام کہ ہوتی ہے مجھ کو دیر
ایسی شراب دے کہ طبیعت ہو جس سے سیر
پیرو جو ہوں دلیر کے کیوں ہوں نہ وہ دلیر
شیشوں کا خون پینے کو واللہ میں ہوں شیر
اس معرکے میں شکل دکھا دے ایاغ کی
اب خون جوش زن ہے رگوں میں دماغ کی

طوبیٰ کی چھاؤں میں جو ہیں ساغر وہی اٹھا
خالی جو ہیں رکھے ہوئے بھر کر وہی اٹھا
جس کو رسولؐ پیتے تھے اکثر وہی اٹھا
رکھے ہوئے ہیں جو لبِ کوثر وہی اٹھا
تو نے نہ کی دوا جو مرے اضطراب کی
تار نظر سے روح کھنچے گی شراب کی

ہر سمت زاہدوں کا نہ کیونکر ہو اژدہام
اس میکدے میں خوب ہے ساقی کا انتظام
ہیرے کی ہیں صراحیاں یاقوت کے ہیں جام
کندہ ہیں صاف بارہ اماموں کے ان پہ نام
دھوکا ہو کیوں نہ مہر کا ہر اک کو دور سے
اب دھوپ تیز ہوتی ہے شیشوں کے نور سے

کس طرح میکشی کو نہ سمجھوں میں فرض عین
ساقی کے میکدے کی قیامت ہے زیب وزین
پڑھنے سے ایسے ناموں کے آتا ہے دل کو چین
ہیں سبز سرخ شیشوں پہ نام حسنؑ حسینؑ
جو لعل گوں ہیں وہ شہ خونیں کفن کے ہیں
دھانی ہیں جن کے رنگ وہ شیشے حسنؑ کے ہیں

ہاں مے پلائی تو نے لہو دل کا بڑھ گیا
ساقی بس اب نجف سے میں جاتا ہوں کربلا
لکھوں گا آکے جوش میں عباسؑ کی وغا
تلوار کھنچ چکی ہے قیامت ہے اک بپا
ہر اک شقی کی خوف نے حالت تباہ کی
لرزے میں آگئی ہے زمیں رزم گاہ کی

ہاں تیغِ دستِ شیرِ نیستاں ضیا دکھا
اوصافِ ذوالفقار شہ لا فتیٰ دکھا
زخموں کے گل کھلا کے نئی اک فضا دکھا
بجلی کی طرح گر کے سماں طور کا دکھا
جل جائے ناریوں کی جو تجھ پر نظر پڑے
موسیٰ کے دل پہ آج وہی پھر اثر پڑے

وہ چمکی، وہ گری وہی بجلی سپاہ پر
سرخی سے خوں کی آگ لگی وہ ادھر اُدھر
وہ جل گئے، سیاہ پھریرے کرو نظر
اُٹھا وہ دودِ آہ وہ اُڑنے لگے شرر
دھاریں چلیں وہ خوں کی وہ زخمی گلے ہوئے
گرنے لگے زمیں پہ وہ نیزے جلے ہوئے

قہر خدا ہے، تیغ کے جوہر ہیں آتشیں
پَرتَو سے اس کے، رن کی دہکنے لگی زمیں
برق طپیدہ کیوں نہ کہیں اس کو اہل کیں
ہے سب کہیں پہ دشت میں، اور پھر کہیں نہیں
اس میں چمک وہ ہے کہ مہ نو بھی ماند ہے
جب گر پڑی تو برق ہے، اٹھی تو چاند ہے

ہلچل سی اک پڑی ہے، غضب کی ہے کارزار
لرزے میں ہے زمین، تو جنبش میں کوہسار
ماہی سے اب سنبھل نہیں سکتا زمیں کا بار
گیتی سبک ہو جلد اُٹھا اس لئے غبار
ہرگز فلک پہ ابر نہیں یہ دھواں نہیں
اب چھ طبق زمین کے ہیں ساتواں نہیں

چھایا ہوا ہے چار طرف اس طرح غبار
کھلتا نہیں کسی پہ بھی کچھ حال کارزار
اٹکل پہ بھاگے جاتے ہیں جنگل میں راہوار
واں مفت ہاتھ آرہے ہیں شیر کو شکار
تیغیں لگا کے فوج کا ستھراؤ کردیا
سقے نے خوں کا دشت میں چھڑکاؤ کردیا

پائی جو راہ شیر نے دریا پہ جا پڑا
روکے تھے گھاٹ جو انھیں اعدا پہ جا پڑا
افسر کو مار کر صف ہیجا پہ جا پڑا
ٹھہرے جہاں شریر اسی جا پہ جا پڑا
ہلچل نہ کس طرح ہو عدو کی سپاہ میں
دریا لہو کا باڑھ پہ ہے رزم گاہ میں

غازی کے رعب سے کوئی اٹھتی نہیں نظر
تھرا رہا ہے خوف سے ہر ایک بد گہر
باگیں چھٹی ہیں ہاتھ سے، نیچے کئے ہیں سر
گھیرے ہوئے ہو شیر تو بھاگیں بھلا کدھر
کتنی کمانیں توڑ کے صحرا میں پھینک دیں
تلواریں چھین چھین کے دریا میں پھینک دیں

دم بھر بھی حیلہ سازوں کو ملتی نہیں اماں
ٹھنڈا کیا وہیں اُسے جو مل گیا جہاں
تیور بدل کے خاک پہ پھکوا دیئے نشاں
پہنچا جہاں یہ شیر دہائی مچی وہاں
تھی مشک جس کے پاس لب آب چھین لی
تمغہ ہر اک کا چھین لیا ڈاب چھین لی

خیمے ستم شعاروں کے تھے نہر پر جدھر
اب رخ اسی طرف کو کئے ہے یہ شیر نر
اک پیک نے یہ دی ہے بن سعد کو خبر
خیمے سے بھاگ، آتا ہے غازی بہ کر و فر
پسپا سپاہ ہوگئی باز آ لڑائی سے
خیموں کو جلد جلد ہٹا لیں ترائی سے

کہتا تھا یہ ابھی وہ بن سعد سے لعیں
ناگاہ غل ہوا کہ اسد آ گیا قریں
ہر اک شقی کو موت کا اپنی ہوا یقیں
خیمے گرے جری نے طنابیں جو کاٹ دیں
فوجیں جو آگے بڑھتی تھیں پیچھے وہ ہٹ گئیں
چوبیں بھی ٹوٹیں اور قناتیں بھی پھٹ گئیں

کوئی بھی اب شقی لب دریا نہیں رہا
وہ ولولہ وہ فوج کا غوغا نہیں رہا
قوت کا پہلوانوں کو غرہ نہیں رہا
یوں بھاگا ابن سعد کہ خیمہ نہیں رہا
چوبیں وہ نقرئی وہ طلائی کلس گرے
بھاگے شقی جو ڈر کے تو اک اک پہ دس گرے

سامان زیب و زین کے برہم ہیں سر بسر
پردے زری کے اُڑتے ہیں کھل کر ادھر ادھر
نمگیرے چاک چاک پڑے ہیں زمین پر
تھے جس جگہ پہ فرش وہیں اب بچھے ہیں سر
بے سر پڑے ہیں جن کے دماغ آسماں پہ تھے
لاشوں کے ڈھیر واں پہ ہیں خیمے جہاں پہ تھے

مقتل میں آرہی ہے یہ اک شیر کی صدا
یوں نہر چھین لیتے ہیں اے فوج اشقیا
بھاگا ہے کس طرف کو بن سعد بے حیا
کہہ دے کوئی کہ ہم سے مقابل تو ہو ذرا
اب وہ غرور و غیظ کے تیور کدھر گئے
جن پر تھا اس کو ناز وہ افسر کدھر گئے

کیوں غاصبو حسینؑ کو پانی دیا نہیں
سبط نبیؐ کا تم نے ادب کچھ کیا نہیں
کیسے ہو کلمہ گو کہ حمیت ذرا نہیں
پہچانتے ہو اپنے نبیؐ کو بھی یا نہیں
جو خاص فاطمہؑ کی تھی، لے لی وہ نہر بھی
چھینا رسول زادی کا تم سب نے مہر بھی

اُترے یہ کہہ کے گھوڑے سے عباسؑ با وفا
دریا کے پاس پہلے علم نصب کردیا
پھر تیغ دھوکے شکر کا سجدہ کیا ادا
مشکیزہ بھر کے نہر سے پھر دوش پر رکھا
اس وقت دل کا اور فزوں رنج و غم ہوا
جس دم لباس مشک کے اشکوں سے نم ہوا

چلو کو بھر کے نہر سے پھر یہ کئے کلام
اے آب سرد تجھ کو پئے گا نہ تشنہ کام
پیاسا ہے تین دن سے امام فلک مقام
بچے جدا تڑپتے ہیں لے لے کے تیرا نام
افسوس جان شاہ مدینہ نہ پی سکے
میں پی لوں اور تجھ کو سکینہ نہ پی سکے

یہ کہہ کے لب کئے نہ غضنفر نے اپنے تر
گھوڑے سے پھر جری نے کہا یوں جھکا کے سر
تو پی لے تجھ پہ پیاس کا ہوگا بہت اثر
اس نے بھی منھ پھرا لیا، تھا گو کہ جانور
سوچا کہ عمر بھر نہ کہیں یہ تعب رہے
میں پی لوں اور سوار مرا تشنہ لب رہے

گھوڑے نے بھی غرض کہ وہ پانی نہ جب پیا
اس آب کو جری نے زرہ پر چھڑک لیا
بیٹھا فرس پہ پھر پسر شیر کبریا
لشکر کو حکم تب یہ بن سعد نے دیا
ہاں گھیر لو دلیر کو سب رزم گاہ میں
تیرہ جہان کر دو نبیؐ کی نگاہ میں

یہ سن کے آئے چار طرف سے وہ بدشعار
نرغے میں گھر گیا پسر شیر کردگار
بوچھار ہو رہی تھی جو تیروں کی بے شمار
مشکیزہ کو بچاتے تھے عباسؑ نامدار
زخمی تھا جسم پڑتے تھے حربے دلیر پر
نرغہ کئی ہزار کا تھا ایک شیر پر

پہلو سے تیغیں پڑتیں تھی اور سامنے سے تیر
آ کر عقب سے نیزہ لگاتے تھے کچھ شریر
برپا تھے رن میں چار طرف شور دار و گیر
گھیرے ہوئے تھے ابن علیؑ کو جوان و پیر
بازو تلک جو تیغیں شریروں کی آتی تھیں
کڑیاں زرہ کی خون کے آنسو بہاتی تھیں

جسم اسد پہ زخم پڑے تھے جو بے شمار
غیظ و عضب تھا چہرۂ اقدس سے آشکار
جھک جھک کے تیر مارتے تھے سانڈنی سوار
بڑھ بڑھ کے کر رہے تھے پیادے سناں کے وار
لیکن جری کو سَر کی نہ شانے کی فکر تھی
تیروں سے صرف مشک بچانے کی فکر تھی

اک تیر آکے مشک پہ ناگاہ پڑ گیا
پانی بہا تو غم سے جگر اور شق ہوا
اک آہ سرد کھینچ کے دل سے یہ تب کہا
دنیا میں ایسی زیست کا اب کچھ نہیں مزا
خیمے میں جا تو سکتے ہیں لیکن نہ جائیں گے
منھ اب نہ اہلبیتِ نبیؐ کو دکھائیں گے

اے مومنو! یہاں سے سنو غم کا ماجرا
ناگاہ دونوں شیر کے بازو ہوئے جدا
تھرایا آسمان، زمیں پر علم گرا
کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے یاں شاہ کربلا
حالت ہوئی سقیم شہ بے سپاہ کی
رنگت سفید ہوگئی زہرؑا کے ماہ کی

اکبرؑ سے بولے پھر یہ امامؑ فلک وقار
بیٹا ہمارے دل کو نہیں اب ذرا قرار
دیکھو نشاں نظر نہیں آتا وہ زینہار
حامل تھے جس نشان کے عباسؑ نامدار
بیکار کی یہ قلب و جگر میں کھٹک نہیں
زخمی ہوا وہ شیر کوئی اس میں شک نہیں

اب سنیے حال وہ کہ ہو ٹکڑے دل و جگر
ناگاہ ایک گرز لگا فرق پاک پر
تیورا کے گر پڑا اسد اللہ کا پسر
آواز دی کہ آیئے یا شاہ بحر و بر
مشتاق ہوں زیارت شام انام کا
دیدار آخری بھی میں دیکھوں امام کا

آئی یہ کان میں شہ مضطر کے جب صدا
اکبرؑ کو ساتھ لے کے بڑھے سوئے اشقیا
پہنچے قریب نہر کے جب شاہ کربلا
دیکھا کہ خوں میں لوٹ رہا ہے وہ مہ لقا
رُخسار پر تھے اشک شہ تشنہ کام کے
اکبرؑ قریب بیٹھ گئے دل کو تھام کے

زانو پہ سر کو رکھ کے یہ پھر پیار سے کہا
عباسؑ اپنا حال کہو ہم سے بھی ذرا
ہم بھی تو یہ سنیں کہ ہوئی تم پہ کیا جفا
کھولو تو آنکھ اے پسر شیر کبریا
بیتاب تم بہت تھے ہماری جدائی سے
اب عرض حال کیوں نہیں کرتے ہو بھائی سے

پائی جو شہ کے آنے کی اس شیر نے خبر
کی عرض اختیار میں دل ہے نہ اب جگر
واقف ہیں آپ موت سے مجبور ہے بشر
ہے تیر دونوں آنکھوں میں اٹھتی نہیں نظر
مجبور ہوں نصیب ہو دیدار کس طرح
پھر دیکھ لوں حضور کو اک بار کس طرح

یہ سن کے شہ کی آنکھوں میں دنیا ہوئی تباہ
بیٹے کی سمت یاس سے کی آپ نے نگاہ
مطلب پدر کا اپنے جو سمجھا وہ خیرخواہ
ناوک چچا کی آنکھوں سے کھینچے بہ اشک و آہ
نکلے وہ تیر جب تو ہوس بھی نکل گئی
عباسؑ مسکرائے چھری دل پہ چل گئی

پھر منھ پہ منھ کو رکھ کے یہ بولے شہ ہُدا
عباسؑ تم نے بھائی نہ مجھ کو کبھی کہا
اپنے کو تم غلام ہی کہتے رہے سدا
پوری کرو یہ بات ہماری بھی اب ذرا
آخر میں کچھ دعائے دِل بے دیار لو
اک بار بھائی کہہ کے بھی ہم کو پکار لو

اے نور عین صاحب تسنیم و سلسبیل
اس امر خاص میں مرے اس وقت ہو کفیل
صحبت بھی یہ اخیر ہے عمریں بھی ہیں قلیل
تنہا کچھ ایسے وقت میں کرنا نہیں دلیل
خوش کر دو آج فاطمہؑ کے نور عین کو
بھائی بھی آج کہہ کے پکارو حسینؑ کو

یہ سن کے بھائی کہہ کے پکارا وہ ذی وقار
بیتاب اور بھی ہوئے شبیرؑ نامدار
فرمایا گھر چلو کہ سکینہؑ ہے بے قرار
کی عرض گھر نہ جاؤں گا ہوں سب سے شرمسار
پانی نہ لا سکا یہ سنایا نہ جائے گا
خیمہ میں اہلبیتؑ کے جایا نہ جائے گا

بس اے حسینؑ غم سے جگر اب ہے آب آب
یاد آرہا ہے شاہ کے بچوں کا اضطراب
اعدا پہ کربلا میں نہ نازل ہوا عذاب
ان سب پہ ظلم کرتے تھے وہ خانماں خراب
دریا تھا پاس اور ترستے تھے آب کو
پانی تو دیتے آل رسالتمآبؐ کو

(بقیہ......ایمان اورعمل صالح)

ایمان کے کئی مرحلے اور درجے ہیں۔ بعض مراحل میں ہوسکتا ہے ایمان اس قدر کمزور ہو کہ عملاً دکھائی نہ دے اور بہت سی آلودگیاں بھی اس کے ساتھ ہوں، لیکن ایک حقیقی راسخ اور محکم ایمان کے لئے محال ہے کہ عمل مثبت، تعمیری اور اصلاحی پہلوں سے خالی ہو۔ وہ لوگ کہ جو ایمان کو عمل صالح کے ساتھ نہیں سمجھتے ان کی نظر ایمان کے نہایت پست مرحلے اور درجے پر ہے۔

منزل جنت تک پہنچنے کے لئے اس فانی دنیا میں ان دو کڑیوں کو پکڑنا ضروری ہے جس کے ذریعہ ہم منزل مقصود تک پہنچیں گے۔''

❁❁❁